کی تنظیم کو سنبھالا خصوصًا بنگال اور بہار میں ایسے متعدد مراکز بن گئے تھے۔

(۴) ۱۸۳۱ء میں واقعہ بالاکوٹ کے بعد بھی روحِ آزادی زندہ رہی جس کا نقطۂ عروج ۱۸۵۷ء تھا۔

سید احمد شہید اور مولانا اسمٰعیل شہید کی خدمات کا جائزہ ان کی کامیابیوں کی فہرست تیار کرکے نہیں لیا جاسکتا۔ بلکہ ان اثرات کا جائزہ لینا ہوگا جو ان کی مساعی اور قربانیوں سے پورے ملک میں پیدا ہوئے۔ ان مساعی کا اگر ابتدائی سرا شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے مل جاتا ہے تو آخری سرے پر مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اشخاص کی بڑی تعداد ہے۔ جن کی زندگیاں آزادیٔ وطن کے لیے قربانیوں کی داستان پیش کرتی ہیں۔

## حواشی

ے۱ بپن چندر: ماڈرن انڈیا (انگریزی)۔ ص ۶۶ - ۶۷

ے۲ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۱

ے۳ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۳

ے۴ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ص ۱۰۳۔

ے۵ مرزا حیرت دہلوی: حیات طیبہ ص ۴۸۹

ے۶ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۹

ے۷ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۸۹

ے۸ بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۲۔

ے۹ بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۳

ے۱۰ ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۵

# مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان

## تصویر کا ایک حقیقی رُخ!

از جناب ڈاکٹر شیر بہادر خان صاحب پنی

ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی ملک کے ایک مشہور علم دوست شخصیت ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے تو وہ ڈاکٹر ہیں مگر اپنے اعلیٰ علمی ذوق کی بناء پر ہمیشہ نامور اہل علم و قلم حضرات کے قریبی تعلقات اور روابط رہے ہیں۔ انہی ارباب دانش میں سے مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغہ روزگار شخصیت بھی ہے۔ جن سے ان کو والہانہ عقیدت ہے۔ ابھی حال ہی میں ان کی ایک کتاب "دیدہ و شنیدہ" منظر عام پر آئی ہے جو دراصل ملک کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کا گویا تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں ایک مقالہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت پر بھی ہے ہم اس مقالے کا کچھ حصہ "الولی" میں شائع کر رہے ہیں تاکہ مولانا کے سیاسی افکار انھیں قریب سے جاننے والے ایک شخص کی وساطت سے قارئین کے سامنے آسکیں اور انھیں مولانا کے متعلق ایک متوازن رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے۔ اس اقتباس کے لیے ہم "میثاق" لاہور کے ممنون ہیں ——— ادارہ

**قوم کی وجہ ناراضگی** سیاسی امور میں رائے کے اختلاف سے قوم میں ان سے ناراضی شروع ہوئی حالانکہ سیاسی امور میں اختلاف رائے ایک بدیہی امر ہے چونکہ اس میں وحی کا عنصر نہیں ہوتا لہٰذا ہر ایک کی رائے اپنے ذاتی علم تجربہ بصیرت پر مبنی ہوا ہے اس واسطے کسی کی رائے پر ایمان نہیں لایا جاسکتا۔ سیاسیات میں کوئی شے قطعی نہیں ہوتی یہ جامد نہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی ہو

اس میں حالات کے مطابق تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک میں ان تحریروں، تقریروں اور بالمشافہ گفتگو سے سمجھ سکا ان کی رائے تھی کہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہندو مسلم اتحاد پر منحصر ہے اور ہندوستان کی آزادی کو وہ مسلم ممالک (مشرق وسطیٰ) کی آزادی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

## اقتباس از سیرت مولانا داؤد غزنویؒ

مولانا ابوالکلام آزاد اس برصغیر میں علامہ جلال الدین افغانیؒ کے ایک طرح کے نائب تھے مولانا حسین احمد مدنی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد اور جانشین صادق تھے۔ ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کا طاقت ور حریف انگریز ہے اس لیے انھوں نے اور اُن کے رفقاء نے اپنی ساری قوتیں اس امر کے لیے وقف کر دیں کہ اس ملک سے انگریز کو نکال دیا جائے یہی وقت کا سب سے بڑا جہاد اور اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے اس نظریہ کے تحت انھوں نے ہر اس پتھر کو راستے سے ہٹانے کی کوشش جو انگریز کے اقتدار کے لیے اس ملک میں محد و معاون ہو سکتا تھا۔ ہر اس بت کو توڑنے کی کوشش کی جس کی پرستش سے انگریز کا تقرب حاصل ہو سکتا تھا۔

مولانا آزاد ہندو کی تنگ نظری سے واقف تھے اور اس پر گرفت بھی کرتے رہتے تھے چونکہ اُن کو مسلم ممالک کی آزادی عزیز تھی۔ لہذا اس کے لیے وہ گاندھی جی (ہندوؤں) سے تعاون کے حق میں تھے۔ ان کے قلبی تعلق کے کیف کا اندازہ جو ان کو مسلمانوں سے تھا ان کے اقوال و افکار سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور ان کی زندگی کے یہی اوراق جن کے مطالعہ سے اُن کی اچھائی اور برائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

## ان کی زندگی کے چند اوراق

خان عبدالغفار خان اپنی "آپ بیتی" جو انھوں نے خود لکھوائی، میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں "جب کانگریس نے تقسیم ملک پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انھوں نے تمام پٹھانوں کو موت کی سزا سنا دی۔ میں بے حد پریشان تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد میرے قریب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئیے اگر خان عبدالغفار خان ان کا مشورہ قبول کر لیتے تو یقیناً ان کی پارٹی قوم اور ملک کے لیے بہتر ہوتا لیکن انھوں نے نہ مانا۔ انجام سامنے ہے۔

۲۔ مولانا آزاد نے مولانا داؤد غزنوی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا۔ ہفتہ وار "چٹان" لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۲۴، ۳۰ر دسمبر ۱۹۷۴ء میں لکھتا ہے:

"بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ پنجاب و سرحد وغیرہ کے جن سیاسی پیشواؤں کو مولانا آزاد نے مسلم لیگ میں شامل ہو جانے کا مشورہ دیا تھا۔ ان میں مولانا داؤد غزنوی بھی تھے وہ بے جھجک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے"

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب "بوئے گل نالۂ دل دُودِ چراغ محفل" کے صفحہ ۴۲۲ پر لکھتے ہیں:

"بہ حالت موجودہ مولانا آزاد نے کہا مسلمانوں کے لیے دو ہی راستے ہیں ایک راستہ تو وہ ہے جو میں نے اختیار کیا، لیکن مسلمانوں نے من حیث الکل اس پر چلنے سے انکار کر دیا دوسرا راستہ وہ ہے جو ان کے لیے لیگ نے بنا دیا ہے مسلمان میرے ساتھ نہیں چلتے نہ چلیں لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تنظیم کی زندگی بسر کریں۔ ایک بھیڑ نہ رہیں ہمیشہ قوت اور تنظیم ہی کی قدر کی جاتی ہے"۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ان دنوں دہلی میں تھے انہیں بلوایا اور کہا:

"آپ لوگ دیکھ رہے کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں اِدھر اُدھر کا راستہ نہیں رہا ایک راستہ بن چکا ہے جس سے اب انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے چاہا کہ مسلمان میرے آجائیں لیکن مسلمانوں نے اعراض کیا۔ میری بات کچھ تو ان کی سمجھ میں نہ آئی کچھ حالات اس طرح کے بن گئے کہ اُن کے لیے لیگ ہی کا راستہ پسندیدہ ہو گیا۔ اب اس کے حسن و قبح پر بحث کا سوال نہیں۔ اب ایک طے شدہ راستہ پر مسلمانوں کے سفر کا سوال ہے اگر ہم ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بھی سوچتے رہے ہیں تو میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے احرار کو مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ جو پاکستان کے صوبوں میں رہ رہے ہیں مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے اور معاملہ کسی دشواری کے بغیر حل ہو جائے۔ دوسرا فائدہ جو اس سے پہنچے گا یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں آپ لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا اس وقت مسلمان جذبات کے عالم میں ہیں۔ انھیں غصہ بھی ہے، ناراضی بھی ہے اور شاید بڑی

حد تک نفرت بھی۔ یہ سب ختم ہو جائیں گے۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب سیاسی موقع پرستوں اور انگریزی حکومت کے موروثی اہل کاروں سے واسطہ پڑے گا تو ان کی طبیعتیں دوبارہ غور و فکر کی طرف لوٹیں گی۔ اس وقت آپ ان کا ہاتھ تھام سکتے اور پاکستان کی آزاد کو اغوا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔"

مسلم لیگ کے پنجاب میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے متعلق "نوائے وقت" ۱۷ نومبر ۱۹۷۶ء میں ایک نوٹ از قلم میاں محمد شفیع مشہور مسلم لیگی لیڈر شائع ہوا۔ عنوان ہے "مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق ایک تاریخی واقعہ" جو حرف بحرف درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"شیخ محمد اشرف لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں وہ برصغیر میں کتابیں چھاپنے کے میدان میں ہندؤوں کے مقابلے میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد انھوں نے اسلام پر بے شمار قابلِ قدر کتابیں شائع کیں، وہ پاکستان میں اہل حدیث کی تنظیم میں ایک خاص مقام رکھتے تھے انھوں نے ایک ملاقات میں مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا جسے میں ایک تاریخی واقعہ سمجھ کر "نوائے وقت" کے کالموں میں ریکارڈ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شیخ محمد اشرف نے فرمایا یہ اس صدی کے چوتھے عشرے کے آخری مہینے تھے جب کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طاقت روز افزوں زوروں پر تھی۔ میں پکا کانگرسی تھا اور مولانا ابوالکلام آزاد کو نہ صرف مذہبی طور پر بلکہ سیاسی طور پر بھی دل سے اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا حضرت مولانا ان دنوں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر تھے۔ مجھے قدرتی طور پر مسلم لیگ کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت پر پریشانی تھی اور میں دل میں طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دہلی سے پشاور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مولانا سے لاہور ریلوے اسٹیشن پر ملاقات کا پروگرام بنایا۔

چنانچہ جس روز مولانا کی ٹرین دہلی سے لاہور پہنچنے والی تھی میں اپنے دوسرے دو ہم خیال دوستوں مولانا خدا بخش (جن کا اب انتقال ہو چکا ہے) اور خواجہ عبدالوحید (جو خدا کے فضل و کرم سے کراچی میں زندہ سلامت ہیں) کو ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو وہاں مولانا سے ملاقات کے لیے امیدواروں کا بڑا اژدھام پایا اس لیے تینوں نے ریلوے ٹکٹ

فرید لیے تاکہ مولانا کے ساتھ ہی ٹرین پر سوار ہو جائیں اور جب موقع پائیں مولانا کے ساتھ مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے مسئلہ پر تبادلہ خیالات کریں ـــ یہ موقع ہمیں وزیر آباد گزر جانے کے بعد ملا جب ان سے ملاقات کرنے والے اپنی اپنی کہہ سن چکے تو میں نے مولانا سے عرض کیا کہ :

"پنجاب میں مسلم لیگ کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اس سے نیشنلسٹ خیال کے مسلمانوں کے کام کرنے کے راستے میں بے شمار دقتیں پیدا ہو گئیں ہیں اس لیے جب تک مسلم لیگ کے اس بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لیے موثر تدابیر اختیار نہیں کی جائیں گی ۔ پنجاب میں کانگرس اور اس کے ہم نواؤں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہے گا ۔

مولانا نے ہماری باتیں بڑے سکون اور اطمینان سے سننے کے بعد فرمایا ۔

"بھائی مسلم لیگ کو کمزور کرنا دانشوری کی بات نہیں ۔ بلکہ یاد رکھو جب تک مسلم لیگ طاقت نہیں پکڑے گی اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی مفاہمت کا راستہ ہموار نہیں ہو سکتا مسلم لیگ کو مضبوط ہونے دو تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی جماعت مضبوطی کے ساتھ کانگرس سے بات کر سکے" ۔

شیخ محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام کا یہ ارشاد سن کر ہم پر گھڑوں پانی پھر گیا ۔ ہم تو اس امید پر ان سے بات کرنے گئے تھے کہ وہ مسلم لیگ کے صدر کو چلی کٹی سنا کر ہمیں پنجاب میں مسلم لیگ سے لڑنے اور کانگرس کو مضبوط بنانے کے لیے کوئی موثر منصوبہ بتائیں گے لیکن مولانا نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر وعظ فرما کر الٹی گنگا بہا دی ۔ لیکن شیخ صاحب کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ مولانا مرحوم قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے ملنے والے پاکستانی مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ اب پاکستان بن گیا ہے تو اسے مضبوط بناؤ یہی ہماری بھی حفاظت کا ضامن ہو گا ۔

عبداللہ شملوی حال اسلام آباد نے میاں محمد شفیع صاحب کے بیان (گزشتہ صفحہ) پر تحریر فرمایا ہے کہ وہ اس بیان کو ناقابل یقین سمجھتے ہیں اور اپنا ایک واقعہ اپنے مضمون نوائے مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۷۶ء میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں :

غالباً آخر ستمبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ مولانا شملے تشریف لائے اور سرکاری کوٹھی "ری ٹریٹ" میں فروکش ہوئے۔ شملہ اس وقت فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ منتشر مسلمان سمٹ سمٹا کر چند قدیم مسلم محلوں میں جمع ہوگئے تھے مولانا کا آنا گونہ ڈھارس کا باعث ہوا۔ چنانچہ روزانہ سہ پہر کے وقت مقامی لوگ ان کے پاس جمع ہوجاتے تھے۔ مسلمان زیادہ ہندو کم، مگر پھر بھی خاصی تعداد میں، مولانا دوسروں کی سنتے اور کچھ اپنی بھی سنا دیتے۔ ایک دن ایک دل جلے نیشنلسٹ مسلمان نے ان پُرآشوب حالات کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا۔ جواباً مولانا نے جو کچھ فرمایا اور علی الاعلان کہا تو ہندو تو ایک طرف اچھے اچھے مسلمانوں کے حواس گم ہوگئے مولانا کا قول کم و بیش انہی کے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں، انھوں نے فرمایا:

دنیا جانتی ہے کہ ہم لوگ نیشنلسٹ مسلمان کے نام سے بدنام ہیں ہم نے کھلے بندوں پاکستان کی مخالفت کی کہ ہماری نظر میں اس میں کچھ مسلمانوں کا تو بے شک فائدہ تھا مگر بہت سوں کو اس سے زیادہ نقصان اور رہا اسلام تو اس کا فائدہ معلوم لیکن ہم نیشنلسٹ مسلمان ہیں اور مسلمان کی شرط اول ہے تسلیم۔ پاکستان بن گیا یعنی مشیت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ اب ہمارا اسلامی فرض ہے کہ مشیت کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیں اسے دل و جان سے قبول کریں۔ اور اس قبول کا حق ادا کریں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا دل و دماغ ہر طرف سے پاکستان جائے اس کو بنائے اور استوار ے تاکہ پاکستان کی عمارت رفیع الشان ہو۔ دیکھنے دکھانے کے قابل ہو۔ قربانیوں کا واقعی قرار صلہ ہو۔ بلکہ پاکستان ایک سنگین اور انمٹ قلعہ ہو۔ اس لیے کہ پاکستان نہ بنتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن بن کر ٹوٹ گیا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ نہ اِدھر کے مسلمان اور نہ اُدھر کے مسلمان۔ بربادی ہمارا قومی مقدر ہوگی۔"

اس پر ایک صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ کو بھی پاکستان چلنا چاہیے مولانا کا جواب تھا کہ یہ نہ بھولیے کہ ہندوستان میں بھی مسلمان رہیں گے ان کی ضروریات بھی کچھ کم نہیں۔ پاکستان بنانے والے اُن کے کام نہیں آسکیں۔ اس پر ہندوستانی مسلمان حاضرین نے بھی دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔

اس واقعے کے گواہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی بھی ہیں۔ (احقر عبداللہ شملوی، اسلام آباد)

۴۔ اسی طرح آپ نے ڈاکٹر محمد باقر صاحب کو کہ تقسیم ملک کے وقت مرکزی حکومت ہند میں ملازم تھے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی خدمات پاکستان کی حکومت کو دے دیں اور انھوں نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور پاکستان آ گئے مولانا آزاد اس نو تخلیق شدہ اسلامی ملک کو تجربہ کار اور لائق افراد کی بہتر کارکردگی سے مضبوط بنانے کے مشورہ دیتے رہے۔

۵ پروفیسر مرزا محمد منور صاحب اپنے ایک مضمون بعنوان "بحث و نظر" شائع شدہ روزنامہ نوائے وقت ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"پاکستان وجود میں آگیا ہے تو اب اسے باقی رہنا چاہیئے اس کا بن کر بگڑ جانا سارے عالم اسلام کی شکست کے برابر ہوگا"۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے اس قول کی تشریح کے لیے مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں جو اختصار سے پیش کرتا ہوں:

"۱۹۵۳ء کا جولائی یا اگست کا مہینہ تھا کہ میرے استاد مرحوم و مغفور ڈاکٹر برکت علی قریشی مری کے سیسلی ہوٹل میں قیام پذیر تھے آپ ان دنوں یونیورسٹی اورینٹیل کالج کے پرنسپل تھے اور مری میں تعطیلات گرما بسر کر رہے تھے میں ان کی خدمت میں کیرکٹر سرٹیفکیٹ لینے کے لیے حاضر ہوا تھا وہ ان دنوں ابن خلدون پر کوئی کتاب انگریزی میں تحریر فرما رہے تھے"۔ . . .

اس کے بعد ان سے تفصیلی بات چیت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"میرے استفسار پر کہ پاکستان حکومت نے اُن کو کس کی سفارش پر شام میں ناظم الامور بنا کر بھیجا؟ فرمانے لگے میں نے بھارت کی ایک پیشکش مسترد کر دی تھی۔ وہ پیشکش یہ تھی کہ اگر میں بھارت کا شہری رہوں، پاکستان سے واپس چلا جاؤں تو مجھے کسی عرب ملک میں بھارت کا سفیر بنا دیا جائے گا۔ جب میں نے بھارت کی یہ پیشکش مسترد کر دی تو اس امر کی اطلاع کسی طرح پاکستان گورنمنٹ کو بھی ہوگئی۔ چنانچہ میرے اس ایثار کا ایک حد تک بدلہ چکانے کے لیے مجھے ناظم الامور بنا کر شام بھیج دیا سفیر بہرحال نہ بنایا اور ناظم الامور بھی زیادہ دیا تک نہ رہنے دیا"۔

اس کے بعد پروفیسر منور صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے ان سے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے اچھا کیا، آپ بھارت نہ گئے اس پر ڈاکٹر صاحب بولے، عزیز من! میں تو جا رہا تھا۔ مجھے مولانا الکلام نے منع کر دیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں۔ یہ سن کر میں چونکا اور پوچھا، انھوں نے کیوں روکا؟ میرے اس سوال پر ڈاکٹر صاحب نے بوضاحت فرمایا میرے عزیز! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں پرانا کانگرسی ہوں۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور شعیب قریشی جو ماسکو میں ہمارے سفیر ہیں، آصف علی اور مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو میرے بے تکلف احباب میں سے ہیں۔ دلی میں جو نیشنل ہائی سکول کانگرس کی زیر سرپرستی وجود میں آیا تھا۔ اس کا پہلا ہیڈ ماسٹر آصف علی تھا اور دوسرا میں۔ جب تقسیم برصغیر عمل میں آگئی تو چند ماہ بعد پنڈت جی (نہرو) کی طرف سے پیغام آیا کہ ان سے ملوں چنانچہ میں دلی گیا۔ اور پنڈت جی سے ملا۔ مجھ سے پنڈت جی نے کہا کہ قریشی صاحب! آپ وطن تشریف لے آئیں آپ کی خاصی جائیداد ہے یوپی میں بھی اور گلمرگ (کشمیر) میں بھی آپ یہاں آرام سے رہیں گے جائیداد بھی محفوظ رہے گی۔ آپ کا لڑکا ہماری سب سے بڑی ہاکی ٹیم کا کپتان ہے۔ آپ پاکستان میں کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہاں آئیں، آپ ہمارے پرانے رفیق ہیں، آپ کسی عرب ملک میں بھارت کی سفارت کے فرائض انجام دیں، بھارت کو آپ کی ضرورت ہے۔"

وغیرہ وغیرہ"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"پنڈت جواہر لال نہرو کے یہ الفاظ دہرانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تاسف کے ساتھ ذکر کیا کہ ان کا فرزند ہاکی کا تو نہایت اچھا کھلاڑی ہے مگر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکا اسی ذیل میں انھوں نے یوپی (صوبجات متحدہ بھارت) اور کشمیر میں اپنی جائیداد کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ انھوں نے پنڈت نہرو کی پیش کش قبول کر لی تھی۔"

اس پر پروفیسر صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس کے بعد یہاں جانے کی کیا وجہ ہوئی؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"پنڈت جی کے ساتھ اس طویل اور کاروباری ملاقات کے ایک دو روز بعد مولانا

ابوالکلام آزاد سے میں ملنے چلا گیا۔ انھوں نے باتوں باتوں میں پوچھا۔ جواہر لال سے بھی ملاقات ہوئی؟ میں نے عرض کیا جی ہوئی ہے پوچھا کیا باتیں ہوئی؟ اُن کے اس سوال سے مجھے احساس ہو گیا کہ شاید پنڈت جی نے مولانا سے میری اور اپنی ملاقات کی روداد بیان کر دی ہے ویسے میں خود بھی مولانا سے مفصل ذکر کیے بغیر نہ رہتا۔ جب میں نے مولانا کو پنڈت جی کی پیش کش کے بارے میں اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ پیش کش قبول کر لی ہے تو مولانا نے جواب دیا میرے بھائی! یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا:

یہاں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی کہ مجھے یہ توقع نہ تھی میرا خیال تھا کہ مولانا خوش ہوں گے کہ میں بھارت آرہا ہوں۔ بہرحال حیرت زدگی کے عالم میں، میں نے مولانا سے دریافت کیا، میرا فیصلہ کیوں ٹھیک نہیں؟ اس پر مولانا نے فرمایا۔ اوران کے وہ الفاظ میرے دل پر کندہ ہیں:

"میرے بھائی! ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور کئی اسباب میں سے ایک سبب اس کی مخالفت کا یہ خوف تھا کہ اس تقسیم کے ساتھ ملّتِ اسلامیہ بھی تقسیم ہو جائے گی۔ اور اس کی طاقت گھٹ جائے گی مگر ملت کی اکثریت نے ہماری رائے (لفظ ملت قابل قابل نوٹ ہے) کے خلاف فیصلہ دیا۔ ہم ہار گئے اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ پاکستان معرضِ وجود میں نہ آتا تو اور بات تھی اور اب ظہور میں آگیا ہے تو ہر دوسرے اسلامی ملک کی طرح یہ ملک بھی عزیز ہے بلکہ دوسرے ممالک سے بڑھ کر عزیز ہے اب اسے باقی رہنا چاہیے۔ اس کا بن کر بگڑنا سارے عالمِ اسلام کی شکست کے برابر ہوگا۔ اور اس کا وجود میں آکر ناپید ہو جانا سارے عالمِ اسلام کی توہین ہوگا اب آپ لوگ بھارت کی طرف دیکھیں اب آپ پاکستان کو مضبوط بنائیں ہم یہاں آپ لوگوں کی بہتری کی دعا کرتے رہیں گے"

۵۔ ولی محمد صاحب ساکن سرگودھا اپنے ایک مراسلہ "نوائے وقت" مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۷۲ء میں بعنوان "مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان" تحریر فرماتے ہیں:

"اعلانِ آزادی مورخہ ۳ جون کے بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد شملہ میں قیام فرما تھے ۲۶ جولائی کو شملہ سے کم و بیش ۲۵، ۳۰ مسلمان شہریوں کا ایک وفد جس میں میں

شامل تھا حضرت مولانا سے ملاقی ہوا۔ مولانا نے گفتگو کا آغاز بعد از علیک سلیک یوں کیا:

"الحمدللہ! ملک، پاکستان اور ہندوستان، دو مملکتوں کے طور پر آزاد ہو گیا۔ اب ہمارے سیاسی نظریات کے اختلافات بھی ختم ہو گئے۔ میرا محمد علی جناح صاحب سے اختلاف دو سیاسی نظریات کا اختلاف تھا۔ اپنے اپنے نظریے میں ہم پُرخلوص تھے قوم نے ایک نظریہ قبول کر لیا اور ایک رد کر دیا اس فیصلے کو میں صدقِ دل سے قبول کرتا ہوں میری تمنا اور دلی دعا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا ہوا پاکستان مستحکم اور مضبوط ہو اور ترقی کرے خدانخواستہ اب اگر پاکستان میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی تو بدنام اسلام ہو گا بہرحال میری دعا ہے پاکستان اسلامی ملک بنے"۔

سرکاری ملازمین میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور بعض افسر اپنی خدمات پاکستان کے سپرد کرنے سے ہچکچاتے تھے بلکہ بعض نے ہندوستان لکھ کر دے دیا اور کلرک، چپڑاسی بیچارے خواہ اقلیتی صوبوں کے تھے وہ پاکستان لکھوا رہے تھے۔ میں نے مولانا کو اس امر پر توجہ دلائی تو فرمایا:

"میرے بھائی! پاکستان میں کلرکوں اور چپڑاسیوں کی کمی نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی نے دس ہزار میٹرک پاس کلرک پیدا کر دیئے ہیں ضرورت ان لوگوں کی ہے جو صاحب ہنر ہوں جن کو انتظامی امور کا تجربہ ہو۔ جو نظامِ حکومت کو بہتر طور پر چلا سکیں۔ منصوبہ بندی کے ماہر ہوں، ہر ایک شخص جو کسی قسم کے بھی فن کا ماہر ہو جس سے پاکستان شاہراہِ ترقی پر چل سکے اپنا نام پاکستان کی خدمت کے لیے لکھنا چاہیے وغیرہ"۔

ایک دوست کے اس سوال پر کہ حضرت! آئی۔ سی۔ ایس (انڈین سول سروس) اب پاکستان سول سروس) قسم کے لوگ تو ہندوستان کے سپرد اپنی خدمات کر رہے ہیں، ہم کیا کریں؟

فرمایا! بھائی! اس قسم کے لوگ پہلے کون سا قومی جذبہ رکھتے تھے جو اب توقع رکھتے ہو"!

۴۔ جب تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہندوستان سے خوف و ہراس کے عالم میں بھاگنے لگے تو ان کو دہلی کے شاہ جہاں کی مسجد میں بلا کر تقریباً ۳۵ ہزار کے مجمع سے خطاب فرمایا اور باتوں کے علاوہ فرمایا۔

"یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سلام کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں گم کر دیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے

وضو کیا تھا اور آج تم ہو کہ تمھیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے حالاں کہ دہلی تمھارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔

عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو، یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لیے تیار نہ تھے بلکہ تیار ہو جاؤ ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے اس کی کرنیں مانگ لو اور اندھیری راہوں میں بچھا دو جہاں اجالے کی سخت ضرورت ہے۔ بادِ صرصر اٹھی تو رُخ پھیر دیا آندھیاں آئیں تو ان سے کہا تمھارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں کے تار بیچ رہے ہو اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے کبھی ایمان ہی نہ تھا۔

عزیزو! میرے پاس تمھارے لیے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا اور اس نسخہ قرآن کا یہ اعلان تھا وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝

آج کی صحبت ختم ہو گئی، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ اختصار کے ساتھ کہہ چکا ہوں، پھر کہتا ہوں بار بار کہتا ہوں جو اپنے حواس پر قابو رکھو، اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو یہ منڈی کی چیز نہیں کہ تمھیں خرید کر لا دوں یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمالِ صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

زباں زنطق فروماند و راز من باقی است　　بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی است

**مولانا آزاد اور غیرتِ ملی** تقسیم برصغیر کے فیصلے کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے جشنِ آزادی سے تین چار دن پہلے چودھری خلیق الزمان، نواب اسمٰعیل خان میرٹھی کی معیت میں مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش آمدہ حالات کی تلخیوں کا گلہ کرتے ہوئے تجویز رکھی کہ ۱۵ اگست کو دہلی میں مسلمانوں کا ایک عظیم اجتماع کر کے سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو سپاسنامہ پیش کرنا چاہیے مولانا نے فرمایا:

"میرے بھائی! خوشامد کا یہ کاغذی نوشتہ پیش آمدہ مسائل کا حل نہیں ہے ہم اپنی قوم کی خودی کو داغدار کیے بغیر اپنی مشکلوں پر قابو پا سکتے ہیں"۔

**مولانا آزاد اسلامی حمیت کی للکار تھے** آپ نے ہندوستان کے بت کدے میں اس وقت نعرۂ حق و صداقت بلند کیا جب اچھے اچھوں کی زبانیں بھی ذکرِ حق کے نام سے گنگ ہو جاتی تھیں

مولانا آزاد کانگرس (ہندو اکثریت کی جماعت) میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی خودی اور اسلام کی سربلندی کے لیے کلمۂ حق کہتے رہے۔ جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے۔ مولانا آزاد نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ برعظیم کی مختلف اقوام کو متحد ہو کر بحیثیت ہندوستانی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنا چاہیے جیسا کہ پاکستان میں ہندو، عیسائی، قادیانیوں اور مسلمانوں کو ملا کر پاکستانی قومیت کا نام لیا جاتا ہے۔

## کانگرس میں شمولت کے باوجود مولانا آزاد کے کارنامے

اخذ و اختصار از مضمون

ملک عنایت اللہ نسیم سوہدروی شائع شدہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء۔

اگر کانگرس میں شامل ہونا قابل مواخذہ ہے تو کون سا رہنما ایسا تھا، جو کانگرس میں شریک نہیں ہوا یہ مولانا آزاد ہی تھے جنھوں نے مسلمانوں کی بہتری کے لیے (کرپس سکیم) مرکز کو کمزور کر کے صوبائی آزادی کو اس حد تک رکھے جانے کا اہتمام کیا کہ مسلمان ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کو لیں۔ اس طرح اسے انھوں نے کرپس (CPPS) سکیم کے لیے راہ صاف کی جسے مسلم لیگ نے بھی تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد خود مولانا تقسیم کی ساری ذمہ داری نہرو اور اس کے ساتھیوں پر ڈالتے ہیں گویا مسلمانوں کے حقوق کی پاسبانی اپنا فرض جانتے تھے۔ انھوں نے بھارت میں بچے کھچے مسلمانوں کا دفاع کیا ان کا خطبہ بادشاہی مسجد چوبیس صفحات میں آچکا ہے اس دفاع کا نقطہ آغاز تھا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ان کی زندگی میں ہندو عزائم سے محفوظ رہی۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی کہ اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے اس کی حفاظت و استقلال کی ذمہ داری تم عائد ہوتی ہے جو اس خطے میں رہتے ہو۔ مولانا نے ہندوستان کے قابل اور اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں اور ہندوستانی حکومت کو پاکستانی حکومت سے بہتر تعلقات قائم کرنے پر زور دیا۔ یہاں تک کہ مولانا جب مشرقِ وسطیٰ کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے اور قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی۔

مولانا اکثر فرماتے کہ پاکستان بن چکا ہے اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔

مولانا آزاد ہی تھے جنھوں نے ہمیشہ مسلمان ہونے پر فخر کیا اور انگریزی حکومت کے سامنے بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہا کہ :

میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ظالم حکومت کی مخالفت کروں اور یہ ایمان کی کم سے کم علامت ہے۔ اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔"

**رام گڑھ کانگرس اور مولانا آزاد کا خطبہ صدارت** فرمایا میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ روایتیں میرے حصہ میں آئی ہیں میں یہ نہیں کر سکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کرا دوں۔ اسلام کی تاریخ۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے جملہ اصول، اسلام کی تہذیب میری دولت ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی مداخلت کرے۔"

**دہلی میں کانگرس کا خاص اجلاس** دہلی میں کانگرس کے خاص اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔" میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمام لوگوں کے خلاف اپنی صدا بلند کروں جو ہندو سنگھٹن تحریک کے علمبردار ہیں۔ آج کسی سنگھٹن کی ضرورت نہیں جو ہندوانہ تحریک کی تائید کرتے ہیں مجھے ان کی حیثیت سے انکار ہے۔"

شدھی کے متعلق فرمایا :

" اگر ہندوستان میں اس قسم کی صدائیں اٹھتی رہیں تو کامیابی محال ہے۔"

**تحریک آزادی، اشتراک قومی** تحریک آزادی میں دونوں قوموں کے اشتراک کے سب قائل تھے جس کے لیے قائد اعظم نے بھی کوشش کی مگر ہندو تعصب کی وجہ سے ناکام رہے۔ اور ان کو ماننا پڑا کہ دونوں قوموں کا حکم تقسیم ملک ہی ہے مگر اس کے باوجود انھوں نے ۱۶ مئی کی سکیم منظور کر کے اس امر کی راہ بھی پیدا کر دی کہ شاید دونوں قومیں باہمی اشتراک سے رہ سکیں مگر ہندو اس پر بھی تیار نہ ہوئے تھے اور تقسیم پر۔ ہندو نے اس لیے صاد کیا کہ شاید اس سے احیاء پاکستان، جو نصف پنجاب اور نصف بنگال پر مشتمل ہوگا کامیاب نہ ہو سکے گا۔ مولانا آزاد اصولوں کی تقسیم کے